فصل دوازدہم

(۱)

گرد بھری جاڑوں کی غبار آلود دوپہر تھی۔ نوشا ٹرام کے انتظار میں فٹ پاتھ پر کھڑا تھا۔ اس وقت
یا ہی تھا۔ چکرم کی ڈیوٹی استاد پیڈرو نے نمائش پر لگادی تھی اور نوشا کو پوکر کی ٹیم میں شامل کر
چار بجے اسے پوکر سے صدر کے ایک ایرانی چائے خانے میں ملنا تھا۔ ابھی کئی گھنٹے باقی تھے۔
گزارنے کے لیے اس نے سوچا ٹرام پر کیماڑی تک ایک چکر ہی لگالیا جائے۔ ممکن ہے کوئی شکار
ں جائے۔

اب وہ کبھی کبھار اکیلے بھی کام کر جاتا تھا۔ حالانکہ استاد پیڈرو کی سخت ہدایت تھی کہ بغیر ٹیم
کوئی کاریگری نہ دکھائی جائے۔ اس میں خطرہ بہت تھا۔ مگر اب نوشا جیب تراشنے کے فن میں
نچ گیا تھا اور اس قدر نڈر ہو گیا تھا کہ سیکڑوں کے ہجوم میں جیب صاف کر دیتا۔

نوشا خاصی دیر سے ٹرام کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر کوئی ٹرام آتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اکتا کر وہ
ی چل دیا۔ راہ گیر تھکے تھکے نظر آ رہے تھے۔ دکانوں پر سناٹا تھا۔ دور کشا والے فٹ پاتھ کے
ا اپنی اپنی رکشاؤں پر بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ فضا بڑی بوجھل تھی۔ نوشا نے پتلون کی جیبوں میں
ال لیے اور ہولے ہولے سیٹی بجاتا ہوا بلا مقصد بندر روڈ پر چلنے لگا۔ کچھ دور تک وہ اپنی دھن
ں اسی طرح فٹ پاتھ پر چلتا رہا۔ ایک موڑ پر کسی گداگر نے صدا لگائی۔

"سخی بابا، اللہ کے نام پر اس محتاج کو کچھ دیتا جا۔"

فصل: ہلکی ہلکی سردی کا موسم۔ کاریگری: مہارت، یہاں مراد جیب تراشنے کی مہارت ہے۔ منجھنا: تجربہ کار ہونا۔

نوشا اس صدا پر توجہ دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ آواز کچھ مانوس اور جانی پہچانی سی ہے۔ وہ چلتے چلتے ٹھٹکا۔ پلٹ کر دیکھا۔ ایک دیوار کے سائے میں فٹ پاتھ پر ایک گداگر سکڑا سکڑایا پڑا ہے۔ اس کے جسم پر بہت بوسیدہ لباس تھا۔ بال بکھر کر منہ پر آگئے تھے۔ اس کی ایک ٹانگ غائب تھی۔ داہنا ہاتھ خیرات کے لیے آگے بڑھا تھا۔

نوشا نے غور سے گداگر کے چہرے کو دیکھا۔ ذہن کو ایسا شدید جھٹکا لگا کہ وہ تکلیف سے کانپ اٹھا۔ یہ راجہ تھا۔ اس کی دونوں آنکھیں بند تھیں۔ سکڑا سکڑایا جسم کسی سڑتی ہوئی لاش کی طرح گھناؤنا نظر آرہا تھا۔ نوشا نے گہری سانس بھری اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب جاکر کھڑا ہوگیا۔ قدموں کی آہٹ پاکر راجہ نے ایک دردناک صدا بلند کی۔ اس کے بدن پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ جگہ جگہ پھنسیاں تھیں جن سے رطوبت بہہ رہی تھی۔

نوشا نے آہستہ سے آواز دی۔ "راجہ!"

راجہ نے آنکھیں کھول دیں اور نوشا کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر وہ خوشی سے چیخ پڑا۔ "نوشا!" وہ ہاتھ کا سہارا لے کر اٹھ بیٹھا۔

نوشا نے بے تکلفی سے پوچھا۔ "یار! یہ تیری کیا حالت ہوگئی؟" وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔

اس کی بات سے راجہ کو دکھ پہنچا۔ اس کے چہرے پر لمحہ بھر کے لیے مسرت کی جو رمق ابھری تھی اس نے فوراً دم توڑ دیا۔ وہ مری ہوئی آواز سے بولا۔

"میری قسمت میں یہی لکھا تھا۔" اس کا لہجہ بڑے بوڑھوں کی طرح سنجیدہ تھا۔ آواز میں ایسی رقت تھی جیسے شدید کرب میں مبتلا ہو۔

نوشا نے کہا۔ "یار! تو تو اسپتال بھیج دیا گیا تھا وہاں علاج نہیں ہوا؟"

راجہ کے ہونٹوں پر بڑی تلخ مسکراہٹ ابھری۔ "اسپتال والوں نے میری ایک ٹانگ کاٹ ڈالی اور کوڑھیوں کے اسپتال بھیج دیا۔ کئی روز تک وہاں پڑا رہا۔ مگر اسپتال میں جگہ نہیں تھی۔ ایک روز چوکیداروں نے زبردستی اٹھا کر مجھے ایک درخت کے نیچے ڈال دیا۔ جب سے یونہی دربدر کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں۔"

نوشا خاموش بیٹھا رہا۔ راجہ آہستہ آہستہ کہتا رہا۔ "ایک حکیم جی کو دکھایا تھا۔ وہ کہنے لگے تم

گھناؤنا: خوفناک۔ رمق: امید۔ کوڑھی: کوڑہ کا مریض۔ دربدر کی خاک چھاننا: جگہ جگہ پھرنا۔

آتشک ہے۔"

"یہ آتشک کیا بیماری ہوتی ہے؟"

"سنا ہے رنڈی بازوں کو یہ بیماری ہو جاتی ہے۔"

نوشا نے پریشان ہو کر کہا۔ "یار تو نے تو کبھی ایسی حرکت کی نہیں۔"

"میں نے حکیم جی سے یہی بات کہی تو وہ بولے تمہارے باپ کو یہ مرض ہوگا۔ یہ خاندانی ہوتی ہے۔ اکثر مریضوں کو ورثے میں ملتی ہے۔"

"تو پھر تم نے کچھ علاج ولاج کروایا؟"

سڑی ہوئی لاش میں سے پرانا راجہ جاگ اٹھا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔ "یار تو بھی کرتا ہے۔ ابے علاج کوئی پھوکٹ میں ہوتا ہے۔ اس میں رقم لگتی ہے۔"

نوشا اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً بات کا رخ بدل دیا۔ "یہ تو بتاؤ آج کل رہتے ہو؟"

"اپنا بھی کوئی گھر بار ہے۔ جہاں جی چاہا پڑ رہا۔ کوئی ہفتہ بھر سے تو یہیں پڑا ہوں۔" لمحہ بھر کے لیے خاموش رہا۔ "مگر یہ تو بتا تو آج کل کیا کر رہا ہے؟ ویسے تو تیرے بڑے ٹھاٹھ دکھائی دیتے ہیں بڑی لائٹ مار رہا ہے۔ کہیں نوکری وو کری کر لی؟"

نوشا صاف بات نہ بتا سکا۔ "ہاں یار ایک جگہ نوکری ہی کر لی ہے۔"

"مزے میں گزر بسر ہوتی ہے؟"

"بالکل۔" نوشا نے مختصر جواب دیا۔

راجہ نے اٹکتے ہوئے کہا۔ "یار نوشے! تو مجھے ایک بیساکھی دلوا دے۔" اس نے پاس پڑے ٹھڈے کی طرف اشارہ کیا۔ "اس سالے سے دو قدم چلنا مصیبت ہو جاتا ہے۔ میں نے اس کے لیے دس روپے جمع کیے تھے۔ کوئی سالا چوٹا سوتے میں نکال لے گیا۔" راجہ نے اسے گالی دی۔ دل گرفتہ ہو کر بولا۔ "نوشا! تو مجھے بیساکھی ضرور دلوا دے۔ تیرا بہت بڑا احسان مجھے بہت تکلیف ہے۔"

"یار اس میں احسان کی کونسی بات ہے۔" نوشا نے اس کی دل جوئی کی۔ "میں جلد ہی تجھے

آتشک: جنسی بیماری۔ پھوکٹ: مفت۔ دل گرفتہ: رنجیدہ۔

بیساکھی دلوادوں گا۔"

وہ گھنٹہ بھر تک راجہ کے پاس رہا اور ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ اسے تسلی دیتا رہا۔ چلتے وقت اس نے راجہ کو ایک روپیہ دیا اور کھانے کے لیے جو کچھ مانگا خرید کر دے دیا۔ راجہ صبح سے بھوکا تھا۔ راجہ سے مل کر نوشا کی طبیعت مکدر ہو گئی۔ اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ بار بار اسے راجہ کی کسی کا خیال آتا۔ اس نے سوچا راجہ کے لیے اسے ضرور کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔ دوسرے روز وہ پھر اس کے پاس گیا۔ اس دفعہ وہ اس کے لیے کچھ کھانے پینے کا سامان بھی لے گیا۔

اب وہ اکثر راجہ کے پاس جاتا اور کچھ نہ کچھ اسے دے کر آتا۔ راجہ کے لیے اس نے ایک بیساکھی بھی خریدی جس کے سہارے وہ چلنے پھرنے لگا تھا۔ چوہے کی کھال کا ساگھناؤنا لباس اتروا کر نیا جوڑا پہنا دیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ کہیں رہنے کی جگہ مل جائے تو اس کے ایک حصے میں راجہ کی رہائش کا بندوبست کر دے۔

سردی روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ راجہ رات بھر شبنم میں پڑا بھیگا کرتا اور سردی سے کانپتا رہتا۔ رہنے کو مکان تو نہ مل سکا البتہ ایک اونچی عمارت کی دیوار کے ساتھ ترپال ڈال کر نوشا نے سائبان بنا دیا جس کے نیچے راجہ رہنے لگا۔

راجہ کے لیے وہ جو کچھ کر رہا تھا، اس سے نوشا کو بڑی خوشی ہوتی۔ یہ عجیب سی خوشی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کی زندگی کا بھی کوئی مقصد ہے۔ وہ محض جیب کترا نہیں بلکہ کچھ اور بھی ہے۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ راجہ کی بیماری دور ہو جائے۔

ایک روز وہ راجہ کو ایک ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ مگر وہ علاج کرنے پر آمادہ نہ ہوا اور یہ مشورہ دیا کہ اسے کوڑھ ہے۔ کوڑھیوں کے اسپتال لے جاؤ۔ مگر نوشا اسے کسی اسپتال نہ لے گیا۔ اسے خوف تھا کہ جس طرح اسپتال والوں نے ٹانگ کاٹ کر لنگڑا بنا دیا اسی طرح اس کے جسم کا کوئی اور حصہ نہ کاٹ دیں۔

ڈاکٹروں سے مایوس ہو کر وہ راجہ کو ایک حکیم کے پاس لے گیا۔ اس نے دونوں کی ہمت ڈھارس بندھائی۔ اس کا خیال تھا کہ راجہ کا مرض لاعلاج نہیں ہے۔ اگر پابندی سے علاج کرایا جائے تو وہ صحت یاب ہو سکتا ہے۔ اس علاج کے لیے اس نے ڈھائی سو روپے طلب کیے۔

مکدر: غمگین۔ ترپال: ایک موٹے کپڑے کی چادر۔ ڈھارس بندھانا: حوصلہ دینا، ہمت بڑھانا۔

نوشا اس وقت تو راجہ کو خاموشی سے واپس لے آیا۔ مگر اب اس پہ یہ دھن سوار تھی کہ کسی
ڑھائی سو روپے مہیا کئے جائیں تاکہ راجہ کا باقاعدہ علاج ہو سکے۔ چنانچہ پوکر کے ساتھ جیب
ی کرنے کے علاوہ وہ اکیلا بھی کاریگری کے ہاتھ دکھانے لگا اور اس رقم کو استاد پیڈرو سے
دور رکھتا۔
اسے ڈھائی سو روپے کی ضرورت تھی تاکہ راجہ کا علاج کرا سکے۔

❁ ❁ ❁

نوشا نے میریٹ روڈ سے گزرتے ہوئے ایک راہ گیر کو بھانپا۔ وضع قطع سے وہ دکان دار لگتا
نوشا کا اندازہ تھا کہ اس کے پاس لمبی رقم ہے۔ اس نے سوچا اگر داؤں لگ جائے تو آج ہی راجہ
علاج کی پوری رقم نکل آئے گی۔ رات کے نو بجے تھے۔ سردی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ راستوں پر
دہ گیا تھا۔ دو بار نوشا نے اسے گھیرا مگر وہ ہتھے نہیں چڑھا۔ نوشا نے ہمت نہ ہاری۔ برابر اس کا
رتا رہا۔ وہ شخص سڑک سے مڑ کر ایک گلی میں گھس گیا۔
گلی سنسان تھی اور روشنی کم تھی۔ گلی کشادہ بھی نہ تھی۔ دونوں جانب کئی کئی منزلہ اونچی اونچی
ں تھیں۔ نوشا سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اس نے پتلون کی جیب میں پڑا ہوا
نکال کر آہستہ سے کھول لیا اور جب وہ ایسی جگہ پہنچا جہاں اندھیرا زیادہ تھا نوشا جھپاک سے اس
امنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کھلا ہوا چاقو سینے پر رکھ کر بولا۔
"جو کچھ جیب میں ہے نکال کر چپ چاپ دے دو۔"
اس نے گھبرا کر نوشا کو دیکھا جو اندھیرے میں بھوتوں کی مانند خوف ناک نظر آ رہا تھا۔ اس
اتھ میں کھلا ہوا چاقو تھا جس کی جھلکتی ہوئی نوک عین سینے پر تھی۔ اس کی گھگی بندھ گئی۔ اس
وف سے منہ پھاڑ دیا مگر آواز نہ نکلی۔ نوشا نے حواس باختہ اور خاموش پا کر خود ہی اس کی جیب
کال نکال لیا۔
نوشا نے پرس نکال کر اپنی جیب میں رکھا ہی تھا کہ گلی میں قدموں کی آہٹ ابھری۔ دو سائے
لیٹ کی کھڑکی سے چھن چھن کر آنے والی روشنی میں نظر آئے۔ دونوں راہ گیر اسی طرف
ھے تھے۔ نوشا نے اس شخص کا بازو پکڑ کر اندھیرے میں گھسیٹا۔ ڈپٹ کر بولا۔

ہ حواس: کام نہ آیا۔ گھگی بندھ جانا: ڈر کے مارے بول نہ سکنا۔

"آواز نکلی تو پورا چاقو اتار دوں گا سینے میں۔"

وہ خوف سے کانپ رہا تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے نوشا کو گھور رہا تھا۔ دونوں اندھیرے میں ایک دیوار سے لگے کھڑے تھے۔ چاپ گلی کے پتھریلے فرش پر ابھر رہی تھی۔ ان کے جوتے بھاری بھاری لگتے تھے۔ نوشا کو شبہ ہوا کہیں وہ پولیس والے نہ ہوں۔ اس خیال کے ساتھ ہی وہ کسی قدر گھبرا گیا۔

قدموں کی آہٹ قریب آتی جا رہی تھی۔ کھٹ، کھٹ، کھٹ، قریب اور قریب اور قریب۔

اچانک نوشا کے کھلے ہوئے چاقو کی زد میں کھڑے ہوئے خوف زدہ آدمی نے حلق سے آواز نکالی یہ آواز اتنی ہیبت ناک تھی کہ تنگ و تاریک گلی کے در و دیوار لرز کر رہ گئے۔ ساتھ ہی وہ چلانے لگا۔

"بچاؤ! بچاؤ۔"

نوشا نے اس کے کھلے ہوئے منہ پر پوری قوت سے مکا مارا۔ وہ دیوار سے ٹکرا کر گر پڑا۔ مگر سنبھلنے کے ساتھ ہی اس نے پھر دہاڑنا شروع کر دیا۔ اب نوشا کے لیے وہاں ٹھہرنا خطرناک تھا۔ اس نے اندھیری گلی میں بھاگنا شروع کر دیا۔ اس وقت تک فلیٹوں کی کھڑکیاں کھلنا شروع ہو گئی تھیں۔ گھبرائے ہوئے لوگ بالکونیوں سے نیچے گلی میں جھانک رہے تھے۔ بعض نے اونچی آوازوں سے بولنا بھی شروع کر دیا۔

گلی میں داخل ہونے والے دونوں راہ گیر واقعی پولیس والے تھے۔ شور سن کر پہلے تو وہ ٹھٹکے اور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ اسی وقت ان کے سامنے ایک سایہ تیزی سے لہرایا۔ کوئی تیز رفتار سے بھاگ رہا تھا۔ یہ نوشا تھا۔ دونوں نے فوراً اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

نوشا کچھ دور تک بھاگتا رہا پھر وہ داہنے ہاتھ مڑنے والی گلی میں گھس گیا۔ یہ گلی بھی تاریک تھی۔ اس کے قدموں کی آوازیں گلی کے پتھریلے فرش پر ابھر رہی تھیں۔ وہ گلی میں پڑے ہوئے کوڑے کرکٹ سے ٹھوکریں کھاتا، لڑکھڑاتا، سرپٹ بھاگتا رہا۔ اس کی پشت پر ملی جلی آوازوں کا شور ابھر رہا تھا۔ تعاقب کرنے والوں کے قدموں کی آہٹ نزدیک آتی جا رہی تھی۔ دونوں کا نشیلی زور زور سے سیٹیاں بجا کر خطرے کا اعلان کر رہے تھے۔

دوڑتے دوڑتے نوشا کی سانس پھول گئی۔ قدم ڈگمگانے لگے۔ اچانک ایک نئی مصیبت سامنے آ گئی۔ اب گلی کے دوسرے نکڑ پر بھی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ دھندلی روشنی میں انسانی شکلیں نظر

آہٹ نہیں۔ آگے جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ اس نے اپنی رفتار سست کر دی اور ایک مکان کی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ دیوار میں کھڑکی تھی۔ نوشاد نے کھڑکی پر ہاتھ رکھا اور امید موہوم کے ساتھ سوچا کہ شاید کھڑکی کھل جائے۔

کھڑکی کا ایک پٹ ہاتھ رکھتے ہی کھل گیا۔ وہ اچک کر اس پر چڑھا اور اندر کود گیا۔ اس نے فوراً کھڑکی بند کر دی اور چوکھٹ سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔

نوشاد جس جگہ کھڑا تھا، وہ ایک تنگ غلام گردش تھی۔ غلام گردش جہاں ختم ہوتی تھی وہاں سے جنوبی سمت لکڑی کا زینہ تھا جس کی سیڑھیاں اوپر کی منزل کو جاتی تھیں اوپر سے ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی جو زرد دھبے کی طرح دیوار پر بکھری ہوئی تھی۔ نوشاد دھندلی دھندلی روشنی میں دم بخود کھڑا تھا۔

اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے تھے۔ وہ منہ کھولے بری طرح ہانپ رہا تھا۔

(۲)

گلی میں ملی جلی آوازوں کا شور ابھر رہا تھا۔ پتھریلے فرش پر بھاری بھاری قدموں کی آہٹ گونج رہی تھی اور تیز تیز بجتی ہوئی سیٹیاں چیختی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ اسی اثناء میں زینے کی دیوار پر ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگی۔ کوئی آہستہ آہستہ چوبی سیڑھیوں سے نیچے اتر رہا تھا۔

قدموں کی آہٹ ابھرتی رہی۔ روشنی زینے سے نکل کر غلام گردش کی دیواروں پر پھیلنے لگی۔ دیکھتے دیکھتے زینے پر سایہ ابھرا۔ ایک بوڑھا نمودار ہوا۔ اس کی مختصر سی ڈاڑھی تھی۔ سر گنجا تھا۔ آنکھوں پر چشمہ تھا۔ وہ گاؤن پہنے ہوئے تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں شمع دان تھا جس میں موم بتی روشن تھی۔ وہ کمر کو ذرا سا خم دے کر چل رہا تھا۔ نوشاد حواس ہو کر دیوار سے چمٹ گیا۔ اس نے کھلا ہوا چاقو مضبوطی سے تھام لیا اور بوڑھے کو سہمی ہوئی نظروں سے گھورنے لگا۔

بوڑھا زینے سے اتر کر غلام گردش میں داخل ہوا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ جب فاصلہ دو قدم رہ گیا تو اس کی نگاہ نوشاد پر پڑی۔ وہ رک گیا۔ اس کا ہاتھ آہستہ سے کپکپایا۔ موم بتی کی لو زور

موہوم: ہلکی سی امید۔ غلام گردش: سرا و برآمدہ، گیلری۔ اسی اثناء میں: اسی دوران۔ چوبی: لکڑی کی بنی ہوئی۔ لو: شعلہ۔

سے تھرتھرائی۔ غلام گردش میں بہت سی دھندلی دھندلی پرچھائیاں جھومنے لگیں۔ نوشا نے ایک لمحے کا بھی انتظار نہ کیا۔ جھپٹ کر اس کے سامنے کھلا ہوا چاقو بڑھا کر بولا۔

"آواز نکلی تو پورا چاقو سینے کے اندر ہوگا۔"

بوڑھے نے حیرت زدہ نظروں سے نوشا کو دیکھا۔ کھلے ہوئے چاقو کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر خوف کا ہلکا سا سایہ پھیل گیا۔ وہ خاموش کھڑا رہا۔ نہ اس نے جسم کو کوئی حرکت دی اور نہ زبان سے ایک لفظ نکالا۔ نوشا ابھی تک ہانپ رہا تھا۔ اس کی سانس تیز تیز چل رہی تھی۔ چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔ اس کے جس ہاتھ میں کھلا ہوا چاقو تھا اس میں ہلکی سی تھرتھراہٹ تھی۔

بوڑھے نے اس کی گھبراہٹ اور ہاتھ کی تھرتھراہٹ کو محسوس کیا۔ سنبھل کر نرمی سے بولا۔

"گھبراؤ نہیں۔ تم یہاں قطعی محفوظ ہو۔"

نوشا کھلا ہوا چاقو تانے اسی طرح کھڑا رہا۔ بوڑھا اسے بڑا عجیب و غریب معلوم ہوا۔

"ڈرو مت۔" اس دفعہ بوڑھے کا لہجہ صاف اور پر اعتماد تھا۔ "میں بوڑھا آدمی ہوں۔ مجھ سے تم اس قدر کیوں ڈر رہے ہو؟ آؤ میرے ساتھ۔"

وہ مڑا۔ لیکن نوشا اس کے ہم راہ جاتے ہوئے جھجکنے لگا۔ البتہ اس نے چاقو نیچے کر لیا تھا۔ بوڑھے نے بڑے مشفقانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔ "بھئی تم مجھ سے اس قدر خوف زدہ کیوں ہو؟ آؤ، گھبراؤ مت۔"

اس کے لہجے میں اس قدر نرمی اور اپنائیت تھی کہ نوشا کے قدم خود بخود اٹھ گئے۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ دونوں نے زینے کی سیڑھیاں طے کیں اور اوپر پہنچ گئے۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ زینے کے عین مقابل دروازہ تھا بوڑھا اسے کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ نوشا بھی اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ یہ مختصر کمرہ تھا۔ اس کے آگے تنگ راستہ تھا۔ دونوں کمرے سے گزر کر باہر آ گئے۔ سامنے دروازہ تھا جس کی جھری سے روشنی پھوٹ کر باہر آ رہی تھی۔ مگر وہ اس طرف نہیں گیا۔ دوسری طرف مڑ گیا۔ کچھ دور آگے چل کر اس نے ایک دروازہ کھولا۔ نوشا نے دیکھا۔ کمرہ خاصا کشادہ تھا۔ اس میں کتابوں سے بھری ہوئی تین الماریاں تھیں۔ لمبی میز تھی جس پر بہت سی کتابیں اور کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔

جھری: درز، شگاف۔

بوڑھے نے شمع دان میز پر رکھ دیا تھا جس میں جلتی ہوئی موم بتی کی لو ہولے ہولے تھرتھرا رہی تھی۔ بوڑھا ایک کرسی پر تھکا ہوا سا بیٹھ گیا۔ اس نے نوشا کو برابر والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ نوشا چپ چاپ کرسی پر بیٹھ گیا۔

کمرے میں خاموشی تھی۔ بوڑھے نے میز پر رکھا ہوا پائپ اٹھایا۔ تمباکو بھری اور اسے سلگا کر آہستہ آہستہ کش لگانے لگا۔ اچانک رات کے سناٹے میں ایسی آواز ابھری جیسے کوئی رک رک کر کراہ رہا ہو۔ نوشا نے چوکنا ہو کر کان کھڑے کیے۔ وہ کسی نامعلوم خوف سے لرز اٹھا۔ بوڑھا خاموشی سے پائپ پر کش لگاتا رہا اور تمباکو کا تیز بودار دھواں کمرے میں بکھیرتا رہا۔

❁ ❁ ❁

کمرے کے باہر چاپ ابھری۔ سولہ سترہ برس کی ایک سرو قد لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کا جسم اونی شال میں لپٹا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بوڑھے کے پاس جا کر گویا ہوئی۔

"ابا جان! ابھی تک بجلی نہیں آئی۔ سارے گھر میں اندھیرا ہو رہا ہے۔"

وہ جیسے چونک پڑا۔ "اوہ بجلی۔ میرا خیال ہے مجھے ڈاکٹر رفیق کے گھر سے ٹیلی فون کر دینا چاہیے۔" لمحہ بھر کے لیے اس نے توقف کیا۔ "مگر اب تو ڈاکٹر سو گیا ہو گا۔"

وہ بولی۔ "آپ تھوڑی دیر پہلے ٹیلی فون ہی کرنے تو گئے تھے۔"

"ہاں گیا تو میں ضرور تھا۔" وہ کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے نوشا کو دیکھا اور حیرت زدہ ہو کر بولا۔ "تم، یعنی تم؟ میرا مطلب ہے۔" وہ ہکلانے لگا۔ "اوہو ہو بھئی معاف کرنا۔ میں بالکل بھول گیا تھا کہ تم میرے سامنے بیٹھے ہو۔ دیکھو ناذرا! یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ان کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ ان کو گرم گرم دودھ لا کر پلا دو۔ اور بھئی مجھے بھی ایک گرم پیالہ کافی کا مل جائے تو کیا بات ہے؟" وہ بے تکلفی سے ہنسنے لگا۔

نادرہ نے مزید بات چیت نہیں کی۔ کمرے سے باہر جانے کے لیے مڑی۔ بوڑھے نے جاتے جاتے اسے ٹوکا۔ "کیا تمہاری ماں پر پھر دورہ پڑا ہے؟"

"جی ہاں، مگر اب ان کو نیند آ گئی ہے۔"

بوڑھا خاموش ہو گیا اور وہ باہر چلی گئی۔ کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ بوڑھا کسی

الفاظ بے توقیر کی۔

گہری سوچ میں ڈوب گیا اور آہستہ آہستہ پائپ پر کش لگانے لگا۔ موم بتی کی روشنی میں اس کا گنجا سر چمک رہا تھا۔ چشمے کے موٹے موٹے شیشوں کے پیچھے اس کی آنکھیں خوابیدہ خوابیدہ سی معلوم ہو رہی تھیں۔

نادرہ دونوں ہاتھوں میں طشت سنبھالے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ طشت پر دودھ سے بھرا ہوا گلاس اور کافی کی پیالی تھی۔ اس نے میز پر جھک کر طشت رکھا۔ اس کا چہرہ موم بتی کی زرد روشنی کے سامنے آگیا۔ نوشا نے غور سے دیکھا اور سوچنے لگا، لونڈیا زوردار ہے۔ اس کا رنگ سانولا تھا۔ البتہ خدوخال سبک تھے۔ آنکھیں کنول کی طرح شفاف تھیں۔ لیکن اس کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ اس پر ہلکی ہلکی سنجیدگی چھائی تھی۔ اس نے گلاس اٹھایا اور بڑی بے باکی سے نوشا کو دے دیا۔ نہ وہ جھجکی نہ شرمائی۔

وہ کمرے میں زیادہ دیر نہ رکی۔ نوشا نے دودھ کا گلاس ختم کیا تو اسے اپنے جسم میں کسی قدر تازگی محسوس ہوئی۔ اس نے سوچا اب خطرہ ٹل گیا ہے۔ رات بھی زیادہ ہو چکی ہے۔ اسے چلنا چاہیے۔ اسی وقت بوڑھے نے اس سے پوچھا۔ "تم نے کسی کو قتل کیا ہے؟"

"نہیں۔" نوشا نے انکار میں گردن ہلائی۔

"چوری؟" بوڑھے نے دوسرا سوال کیا۔

نوشا نے آہستہ سے کہا۔ "ہاں" اور ندامت سے گردن جھکالی۔

بوڑھے نے گہری سانس بھری۔ ذرا دیر کچھ سوچتا رہا پھر گویا ہوا۔ "تمہاری عمر زیادہ نہیں معلوم ہوتی۔ مگر تم جرائم پیشہ کیسے بن گئے؟" پھر خود ہی چونک کر اس نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ مجھے تم سے ایسا سوال نہیں پوچھنا چاہیے۔ یہ بات تمہیں خود بھی نہیں معلوم ہوگی۔ تمہیں ابھی بہت سی باتیں نہیں معلوم۔ مثلاً یہ کہ اگر میں تم سے کہوں کہ تم انجینئر، ڈاکٹر، قانون داں، سائنس داں، ماہر تعلیم، مصنف اور مصور بن سکتے ہو تو یہ تمہارے لیے بڑی حیرت انگیز بات ہوگی۔"

نوشا کو واقعی اس کی بات پر تعجب ہوا۔ وہ ہونق کی طرح منہ پھاڑ کر اس کا چہرہ تکنے لگا۔ وہ کہتا رہا۔ "کیا تم اپنی زندگی کی نہج نہیں بدل سکتے؟" اس نے رک کر ایک بار پھر اپنا جملہ دہرایا۔ "نہج

خوابیدہ: سوئی ہوئی۔ طشت: بڑی پلیٹ، ٹرے۔ خدوخال: چہرے کے نقوش۔ سبک: باریک۔ بے باکی: جرأت، بہادری۔ ہونق: بیوقوف۔ نہج: انداز، طریقہ۔

ہارے لیے مشکل لفظ ہے۔ مجھے یہ لفظ نہیں استعمال کرنا چاہیے۔ یوں سمجھو!" وہ پھر الجھا۔ بھئی
ف کرنا ہم نے ایک دوسرے سے اپنا تعارف تو کرایا ہی نہیں۔ میرا نام کلیم اللہ ہے۔ میں
ورنمنٹ کالج میں ریاضی کا پروفیسر ہوں۔ کیا میں تمہارا نام پوچھ سکتا ہوں؟"

"نوشا۔"

پروفیسر نے مسکرا کر نوشا کو دیکھا۔ "نوشا یعنی دولہا۔ بھئی تمہارا نام تو خوب ہے۔ گو میں اس
ت کا قائل نہیں کہ نام کا اثر کردار پر پڑتا ہے۔ مگر تمہارے نام میں بڑی رجائیت ہے۔ غالب کی
یت بھی مرزا نوشہ تھی۔ تمہیں تو شاعر ہونا چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ جس نے یہ نام رکھا ہوگا
کا مزاج ضرور شاعرانہ ہوگا۔" کہتے کہتے وہ رک گیا۔ حسب معمول چونک کر بولا۔

"بھئی معاف کرنا۔ میں ذرا بہک گیا تھا۔ ہمارے ملک میں لوگوں کو ناموں کی معنویت کا اتنا
اری کہاں ہے۔ سچ پوچھو تو اتنا شعور کہیں نہیں ہوتا۔ ورنہ ایک اچھے بھلے انگریز ادیب کا نام مسٹر
ک وائٹ نہ ہوتا۔ ڈرنک واٹر تم جانتے ہو۔ اس کا مطلب ہے پانی پیو۔ لاحول ولا قوۃ، کیا مسخرا پن
یہ بھی بھلا کوئی نام ہوا۔"

وہ بے تکان بولتا جا رہا تھا۔ نوشا خاموش بیٹھا اس کا منہ تک رہا تھا۔ پروفیسر کی باتیں اس کی سمجھ
مشکل سے دس فی صد آ رہی تھیں۔ وہ بہت جلد اکتا گیا۔ اس نے تھکے ہوئے انداز میں جمائی
کر انگڑائی لی۔ پروفیسر نے نوشا کی عدم دلچسپی اور اکتاہٹ کو محسوس کیا۔

"اوہو ہو تم کو نیند آ رہی ہے۔ تم کو اب سو جانا چاہیے۔"

نوشا نے فوراً کہا۔ "میں اب جاؤں گا۔"

"رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ کیا اس وقت تمہارا جانا مناسب ہوگا؟"

"میں چلا جاؤں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"تم مجھ سے آئندہ ضرور ملنا۔ تم ابھی عادی مجرم نہیں بنے ہو۔ میں نے دیکھا تھا کہ جب تم
جاتو تانے کھڑے تھے تو تمہارا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ میں نے اسی وقت اندازہ لگا لیا تھا کہ تم ابھی
ہو۔" لمحہ بھر کے لیے اس نے توقف کیا۔

"کیا تم کبھی جیل بھی گئے ہو؟"

نامیہ۔ شعور: عقل، سمجھ۔ بے تکان: مسلسل، لگاتار۔ اناڑی: ناتجربہ کار۔

نوشا نے بڑے سادگی سے جواب دیا۔ "ہاں۔"

پروفیسر بڑبڑانے کے سے انداز میں بولا۔ "تم جیل بھی جا چکے ہو۔ پھر بھی اناڑی ہو۔ سلسلے کی کوئی درمیانی کڑی ضرور غائب ہے۔ میرا سارا تجزیہ غلط ہو گیا۔" اس نے حیرت زدہ نظروں سے نوشا کو دیکھا۔ "بہر حال تم مجھ سے ضرور ملنا۔ آؤ میں تم کو دروازے تک پہنچا دوں۔"

اس نے شمع دان اٹھایا اور کھڑا ہو گیا۔ دونوں زینے سے اتر کر نیچے آئے اور غلام گردش عبور کر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ نوشا نے دروازے سے نکلتے ہوئے مڑ کر پروفیسر کو دیکھا۔ موم بتی کی روشنی میں وہ سرکس کے مسخرے کی طرح اول جلول نظر آ رہا تھا۔

نوشا باہر گلی میں پہنچ کر سوچنے لگا۔ یار کس اوندھی کھوپڑی سے سابقہ پڑ گیا تھا۔ سالا نہ جانے کونسی ایران توران کی ہانک رہا تھا۔ کہنے لگا یہ کام چھوڑ دو۔ پھر کیا کرو؟ جھک مارو۔ کیا کیا اڑا رہا تھا۔ انجینیر، ڈاکٹر، قانون داں اور نہ جانے کیا اناپ شناپ بنا رہا تھا۔ بھئی حد ہو گئی۔ بھلا میں کیسے انجینیر یا ڈاکٹر بن سکتا ہوں۔ یہ تو اپنی اپنی قسمت کی بات ہے اور اپنی قسمت میں تو ہاتھ کی صفائی دکھانا لکھی ہے۔

یہ سوچتے سوچتے اس نے جیب سے پرس نکال کر دیکھا۔ اس میں پونے دو سو سے اوپر روپے تھے۔ خوشی کے مارے اس کی باچھیں کھل گئیں۔ دل ہی دل میں کہا۔ یار اپنے کام کی بھی کیا بات ہے۔ منٹوں میں چاندی کٹتی ہے۔ استاد پیڈرو سچ کہتا ہے یہ کچی کیمیا ہے۔ بس ذرا سی ہاتھ کی صفائی اور تھوڑی سی کاری گری چاہئے۔

وہ اسی طرح سوچتا ہوا آہستہ آہستہ اڈے کی طرف چل دیا۔

(۳)

رات کے ساڑھے گیارہ بجے کا عمل تھا۔ استاد پیڈرو کی محفل جمی ہوئی تھی۔ وہ کسی مہنت کی طرح آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ چاروں طرف جیب کترے حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔ کمرے میں تمباکو کا دھواں بھرا تھا۔ ملی جلی آوازوں کا شور گونج رہا تھا۔

اول جلول: بے ڈھنگا، بے وقوف۔ ایران توران کرنا: نامانوس باتیں کرنا، فلسفہ بگھارنا۔ اناپ شناپ: اوٹ پٹانگ۔ باچھیں کھلنا: بہت خوش ہونا۔ چاندی کٹنا: مراد فائدے حاصل ہونا، عیش ہونا۔ عمل: وقت۔ مہنت: جوگی، سادھوؤں کا سردار۔

نوشا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی استاد کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

"کیوں بے تو اب تک کہاں تھا؟"

نوشا نے آہستہ سے کہا۔ "سینما چلا گیا تھا۔"

"اور تو استاد اللہ رکھا کے علاقے میں کیوں گیا تھا؟ میں نے ہزار دفعہ کہا کہ بولٹن مارکیٹ کے کا علاقہ اپنا نہیں ہے۔ پر تم تو سالوں اپنی ماں کے یار ہو۔ ابے تو اپنی باندگی دکھانے کھار ادر گیا تھا؟ استاد اللہ رکھا کے کاریگر تم سے پتلا موتتے ہیں۔ سالو! تم خواہ مخواہ دلوں میں پھیر ڈالوا ے۔" استاد پیڈرو نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔ "لانکال جھمکوں کی رانی۔" گرہ کٹی کی رقم لیے یہ استاد پیڈرو کی اپنی مخصوص اصطلاح تھی۔

نوشا پہلے تو سٹ پٹایا کہ ضرور کچھ گول مال ہے۔ استاد کو کہیں سے کچھ سراغ مل گیا ہے۔ مگر وہ استاد کو دینا نہ چاہتا تھا۔ ڈھٹائی سے بولا۔ "میں تو اس طرف گیا بھی نہیں۔ آغا پلپلی ہوگا۔ ں طرف جاتا ہے۔"

آغا پلپلی کونے میں سکڑا سکڑایا بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس نے کچھوے کی طرح اپنی سوکھی بے ڈول نکال کر نوشا کو دیکھا اور ناک میں منمنا کر بولا۔

"اماں دیکھ رہے ہو استاد! سالا خواہ مخواہ کے لیے مجھ سے فلاشین کر رہا ہے۔ وہ رانپادوں گا کہ نکل پڑے گی۔ میں تو باہر نکلا ہی نہیں۔ دوپہر سے بخار میں پڑا بھن رہا ہوں اور یہ سالا اپنی اڑا ے۔"

استاد پیڈرو نے اسے فوراً ڈانٹا۔ "بند کر اپنا لیکچر۔ بہت کہہ چکا۔"

پھر وہ دروازے کے قریب بیٹھے ہوئے اجنبی کی طرف متوجہ ہوا۔ "کیوں جی! تم نے خود دیکھا تھا۔" اس نے نوشا کی طرف اشارہ کیا۔

وہ بولا۔ "ہاں جی، یہی لونڈا تھا۔ شام سے شکار کے پیچھے منڈلا رہا تھا۔"

نوشا نے اس عرصے میں پہلی بار اسے دیکھا۔ وہ دہرے بدن کا مضبوط نوجوان تھا اور گردن کے بڑی بے باکی سے بول رہا تھا۔ "استاد! میں نے کئی بار اسے اشارہ بھی کیا کہ یہ اپنا گاہک ہے۔ بار ٹوپ ٹاپ مارا تو یہ آنکھیں نکال کر کھڑا ہو گیا۔"

ھارے سے پتلا موتتے ہیں: مراد کم ہنر مند نہیں ہیں۔ پھیر: جھگڑا، فرق۔ فلاشین کر رہا ہے: مراد چکر دے رہا ہے۔

استاد پیڈرو مسکرانے لگا۔ "یار تو بھی کیا بات کر رہا ہے۔ اسے ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں۔ یہ سالا سمجھے گا استادی کے یہ گر۔ ابھی تو۔۔۔" استاد نے ایک گندی گالی دی۔

"وہ تو میں نے پہلے ہی بھانپ لیا تھا کہ ابھی اناڑی ہے۔"

نوشا ہٹ دھرمی پر اتر آیا۔ "اماں بے فضول میں میرے اوپر الزام لگا رہے ہو۔ میں نے تو تم کو دیکھا بھی نہیں۔" وہ خونخوار نظروں سے اسے گھورنے لگا۔ اسی وقت استاد نے زناٹے کی گالی دے کر کہا۔

"اب چپکا بھی رہے گا یا چخ چخ ہی کئے جائے گا۔ تیری ساری کھکاشا ہی کا ابھی پتہ چلے جاتا ہے۔"

نوشا نے چوری کا بٹوا پھینک دیا تھا اور نوٹ پتلون کی موری میں سراخ کر کے چھپا لیے تھے۔ اسے اطمینان تھا کہ وہاں تک کسی کی نظر نہ جائے گی۔ لہٰذا اس نے چمک کر کہا۔ "جھوٹ بول رہا ہوں تو میری تلاشی لے لو۔"

استاد نے گردن ہلا کر کہا۔ "کیا تو یہ سمجھ رہا ہے کہ میں تجھے بالکل نلوہ چھوڑ دوں گا۔" اس نے چکرم کو اشارہ کیا۔ "دیکھ بے ناداں اسی کے پاس ہے یہ کہیں رکھ آیا۔ ذرا انٹی پر چڑھا کے۔ یہ بڑا حرامی دکھے ہے۔"

چکرم نے دونوں ہاتھ پکڑ کے نوشا کو کھڑا کر دیا۔ استاد نے ڈپٹ کر کہا۔ "ہاتھ اوپر کر۔" نوشا نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ چکرم تلاشی لینے لگا۔

استاد بلّی کی طرح تیز نظروں سے نوشا کر گھور تا رہا۔ چکرم نے ہر جگہ ٹٹولا۔ جسم کا ایک ایک گوشہ کریدا۔ مگر رقم برآمد نہ ہوئی۔ ایک بار وہ اپنے ہاتھوں کو تھپکی دیتا ہوا اوپر سے نیچے تک آیا تو استاد کی تجربہ کار نظر نے تاڑ لیا کہ جب چکرم کا ہاتھ پیروں پر آیا تو نوشا ذرا سا بدکا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا۔

"ذرا میرے کنے تو آئیو۔"

نوشا اس کے پاس چلا گیا۔ استاد کا ہاتھ سیدھا پتلون کی موری پر پہنچا۔ اس نے انگلی ڈال کر نوٹوں کا قلیتہ نکالا اور بے نیازی سے اٹھا کر سامنے ڈال دیا۔ سب نے حیرت سے اسے دیکھا۔ نوشا کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔ استاد پیڈرو نے قہر آلود نظروں سے نوشا کو دیکھا۔ ڈپٹ کر بولا۔

ہٹ دھرمی: ضد۔ نلوہ: مرا ہوا آدمی۔ بدکنا: ڈر کر ہٹنا۔

ہے میرے سے ٹرکیں کرنے چلا تھا۔ تیرے جیسے نہ جانے کتنے لمڈے ناک کے نیچے سے
چکے ہیں۔ ۳۰ سال سے اوپر ہوگئے یہ کام کرتے ہوئے۔ جھک نہیں ماری۔" استاد پیڈرو نے
کان پکڑ کر گردن ہلائی۔ "ایسے استاد کا شاگرد ہوں کہ ولایت تک اس کی تصویریں کھنچ کر
استاد پیڈرو کچھ دیر یوں ہی لیکچر دیتا رہا۔ پھر اس نے چکرم سے کہا۔
"ذرا گن تو کتنی رقم ہے؟"
چکرم نے مڑے تڑے نوٹوں کو اٹھا کر گنا۔ استاد کو بتایا۔ "ایک سو تراسی ہیں۔"
استاد پیڈرو نے اللہ رکھا کے آدمی سے پوچھا۔ "کیوں جی! تمہارا حساب کیا کہتا ہے۔ ٹھیک
رقم؟"
"ہاں جی بس اتنا ہی ہمارا اندازہ تھا۔"
"لو یہ سنبھالو اپنی امانت۔"
استاد نے نوٹ چکرم سے لے کر اسے دے دیئے۔ اس نے نوٹ لے کر گنے اور اس میں سے
ٹ نکال کر استاد کے آگے ڈال کر بولا۔ "یہ ۴۶ روپے ہیں۔ ۲۵ فی صدی کے حساب سے
اتنا ہی مختانا بنتا ہے۔ اگر تمہارا ریٹ کچھ اور ہے تو بتادو۔"
"نہیں جی، یہی ٹھیک ہے۔"
وہ اٹھ کر جانے لگا تو پیڈرو نے کہا۔ "استاد اللہ رکھا سے میرا اسلام کہنا۔ ان سے کہہ دینا لمڈا
اڑی ہے۔ قاعدہ قانون نہیں جانتا۔ ویسے میں اس کی اچھی طرح کندی کر دوں گا۔"
اللہ رکھا کا آدمی چلا گیا۔ کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ نوشا کی سٹی گم تھی۔ اب اس کی شامت آنے
گی۔ وہی ہوا۔ استاد پیڈرو نے اس کو ذبح کرنے والی تیز نظروں سے دیکھا۔ گالیاں دے کر بولا۔
"نکالے تو مجھے چک پھریاں دیتا ہے۔ حرام کے تخم نے ناک کٹوادی۔ اللہ رکھا کہے گا۔ پیڈرو
جانے کیا الم غلم شاگرد رکھ چھوڑے ہیں۔ اس جھپ سٹ سے اپنی یوں ہی لگتی ہے۔ شہر کے
یک اڈے پر یہ بات پہنچ جائے گی۔ تف ہے سالی ایسی استادی پر۔ ساری عزت کر کری ہو گئی۔"
نوشا ملزموں کی طرح سر جھکائے سہما ہوا بیٹھا رہا۔ استاد غصے سے چیختا رہا۔ پھر اس نے قادر سے

مختانا: معاوضہ۔ کندی کرنا: مارنا پیٹنا۔ سٹی گم ہونا: پریشان ہونا۔ چک پھیریاں: دھوکا، فریب۔ الم غلم: فضول، بے کار۔
عزت کر کری ہونا: بے عزتی ہونا۔

کہا۔ "ابے او قادرا۔ لگا اس حرام کے جنے کو دو ٹھونکے۔"

قادر نے اٹھ کر نوشا کے ایک ہی ٹھونکا لگایا تھا کہ وہ تکلیف سے بلبلا کر چیخنے لگا۔ استاد نے قادر کو للکارا۔ "ابے ذرا دبا کے۔ کیا زنخوں کے سے ہاتھ چلا رہا ہے؟ یہ سالا تو یوں ہی فیل مچا رہا ہے۔"

قادر نے کودنے کے سے انداز میں دونوں بازوؤں کو تولا۔ پہلے داہنے ہاتھ کو ذرا سا ترچھا کیا اور کہنی کی ہڈی کی بھرپور ضرب لگائی۔ نوشا کراہتا ہوا دیوار کے پاس پہنچ گیا۔ قادر آگے بڑھا اور جھپٹ کر زور کا ٹھونکا لگایا۔ ایک، دو، تین۔ وہ تابڑ توڑ ٹھونکے لگاتا چلا گیا۔ قادر بڑا کڑیل جوان تھا۔ بھاری بھرکم کسرتی جسم تھا۔ ایک ایک بازو کا وزن پنج سیریوں میں تھا۔ پنڈلیاں اور پیر لوہا لاٹ تھے۔

نوشا لڑکھڑا کر دھڑام سے فرش پر گرا اور زور زور سے چیخنے چلانے لگا۔ پھر اس کی آواز حلق سے غیں غیں کر کے نکلنے لگی۔ اس کا منہ پھٹا ہوا تھا۔ چہرہ وحشت ناک نظر آ رہا تھا۔ وہ مچھلی کی طرح فرش پر لوٹنے لگا۔

نہ جانے وہ دیو کا دیو قادر کب تک اپنے فن کا مظاہرہ کرتا کہ اسی اثناء میں استاد کی آواز ابھری۔ "بس بے۔ سالے کو ذرا سانس تو لینے دے۔"

قادر اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ گینڈے کی طرح ڈراؤنا نظر آ رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ہانپ رہا تھا۔ کمرے میں بیٹھے ہوئے سارے جیب کترے دم بخود تھے۔ نوشا ابھی تک فرش پر تڑپ رہا تھا۔ استاد پیڈرو نے ایک ٹانگ اٹھا کر دوسری پر رکھ لی اور جسم کو ہولے ہولے حرکت دینے لگا۔ سامنے دیوار پر اس کا مہیب سایہ جھوم رہا تھا۔ کئی منٹ اسی عالم میں گزر گئے۔ ہر شخص خاموش تھا۔ نہ کوئی آہٹ تھی نہ آواز۔ نوشا تڑپتے تڑپتے تھک کر شل ہو گیا اور زور زور سے ہانپنے لگا۔ کمرے کے سکوت میں اس کی بوجھل سانسوں کی آواز صاف سنائی پڑ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد استاد کی بھاری بھرکم آواز ابھری۔ وہ نوشا سے کہہ رہا تھا۔ "اٹھ کے بیٹھ۔ بہت ہو چکا نخرہ۔ نہیں تو سالے دو چار اور لگواؤں گا۔ جو کسر رہ گئی ہے وہ بھی پوری ہو جائے گی۔"

نوشا گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے رخسار آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تھے۔ بال بکھر کر منہ پر آ گئے تھے۔ وہ منہ بسور بسور کر آہستہ آہستہ سسکیاں بھر رہا تھا۔ مگر استاد پیڈرو اس کی حالت زار سے ذرا

زنخا: ہیجڑا۔ فیل: شور۔ کڑیل جوان: بھرپور جوان۔ کسرتی جسم: مضبوط گٹھا ہوا جسم۔ پنج سیری: مراد بہت وزنی۔ لوہا لاٹ: مراد بہت مضبوط۔ دم بخود: خاموش۔ مہیب: بھیانک، خوفناک۔ شل ہو جانا: بے حس ہو جانا۔ کسر: کمی۔ حالت زار: بری حالت۔

ہلا نہ ہوا۔ مڑ کر چکرم کو اشارہ کیا۔

"سالے کو تھوڑا سا زندہ طلسمات پلا۔ پھر اس کو چلتا کر۔"

چکرم کمرے سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔ ذرا دیر بعد وہ قارورے کی شیشی لیے ہوئے کمرے میں
ا ہوا۔ اس میں زرد زرد پیشاب بھرا تھا۔ شیشی دیکھتے ہی نوشاد ہائی دینے لگا۔

"استاد! اللہ کے لیے چھوڑ دو۔ مر جاؤں گا۔"

"اب غلطی کروں تو جان سے مار دینا۔"

وہ گڑگڑاتا رہا۔ فریاد کرتا رہا۔ مگر اس کی ایک نہ سنی گئی۔ استاد پیڈرو کی ہدایت پر ایک جیب
وٹا کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور اس کے دونوں ہاتھوں کو دبوچ لیا۔ دوسرے نے اس کا منہ چیر دیا۔
نے قارورے کے کئی قطرے اس کے حلق میں ڈال دیئے۔

نوشا گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کی آنکھیں باہر نکل آئی تھیں۔ وہ زور زور سے ابکائیاں لے رہا تھا۔
ٹ کر بولا۔ "باہر جا کر الٹی کچھ۔ سالے یہاں گندگی پھیلائی تو ابھی اور زندہ طلسمات پلواؤں
ب جا رہا ہے کہ نہیں۔"

نوشا لڑکھڑاتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ کمرے میں ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔ تھوڑی دیر بعد
رے کے دروازے پر نمودار ہوا۔

"اب یہاں ٹھیرنے کی ضرورت نہیں۔" استاد تیکھے لہجے میں بولا۔ "تم ابھی اپنا ٹین پاٹ
ے گول کرو۔"

نوشا نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ "استاد! خدا کی قسم۔ تم سے سب کچھ سچ سچ بتائے دیتا ہوں۔
ہے۔"

استاد زور سے دھاڑا۔ "اب تو اپنی بات اپنے ہی پاس رکھ۔"

"میری بات تو سن لو استاد!"

"میں تجھے اچھی طرح جان گیا ہوں۔ تو ایک نمبر کا حرام کا تخم ہے۔" استاد پیڈرو نے دس
کا ایک نوٹ اس کی طرف پھینکا۔ حقارت سے منہ بگاڑ کر بولا۔ "لو سالے خاں یہ اپنے کفن کے
لیے جاؤ۔ یہ کام تیرے بس کا نہیں۔ تو تو مجھے بھڑوا دکھے ہے۔ ان ہی کی طرح پٹیاں نکالتا ہے۔

"کر دھلائی۔ پٹیاں نکالتا ہے: مراد بھانے تراشتا ہے۔

اب جا کے اپنی ماں کے لیے کوئی یار ڈھونڈ۔"

نوشا اسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔ استاد نے ڈانٹا۔ "سالے! آنکھیں کیا دکھا رہا ہے جا کر تھانے میں رپٹ لکھا دیجیو کہ استاد پیڈرو جیب کتروں کا اڈہ چلاتا ہے۔ تجھے بھی قسم ہے جو جا نہ کہیو۔ پر یہ بھی سن لے کہ دو ہزار روپے نقد بھتا دیتا ہوں۔ سالے کسی اور ہوا میں نہ رہتا تو یہ سمجھ رہا ہو کہ میں استاد کا کچھ بگاڑ سکتا ہوں۔"

نوشا نے کوئی جواب نہ دیا۔ چپ کھڑا رہا۔

استاد نے ڈپٹ کر کہا۔ "ابے جا رہا ہے یا کچھ اور تیری کندی کراؤں۔ تجھے دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اتر رہا ہے۔ بس اب تو یہاں سے دفان ہو جا۔"

نوشا نے دس روپے کا نوٹ اٹھایا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اڈے سے باہر آ گیا۔

(۴)

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ سردی خاصی بڑھ گئی تھی۔ نوشا کے سامنے اب سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ رات کہاں گزارے۔ اچانک اسے راجہ کا خیال آ گیا۔ مگر اس کی یاد آتے ہی جھنجلا گیا۔ اس سالے کی تو تقدیر ہی کھوٹی ہے۔ سوچا تھا کہ اس رقم سے اس کا علاج کرا دوں گا۔ الٹا ڈبا گول ہو گیا۔ نہ رہنے کو ٹھکانہ ہے نہ کوئی کام دھندا۔

وہ اسی طرح سوچتا ہوا آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ عثمان آباد کی گلیوں سے گزر کر وہ لارنس روڈ پر آ گیا۔ سڑک سنسان تھی۔ سناٹے میں کہیں کہیں کتے بھونک رہے تھے۔ گشت کرنے والا ایک کانسٹیبل اس کے قریب سے گزرا۔ اس نے مشتبہ نظروں سے اسے دیکھا۔ نوشا گھبرا گیا۔ اس طرح رات گئے آوارہ گردی کرنا مناسب نہیں تھا۔ سردی تھی اور وہ بہت تھکا ہوا بھی تھا۔ آخر وہ ایک درخت کے نیچے فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا۔

رات دیو کی طرح سر اٹھائے کھڑی تھی۔ سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ شبنم کے قطرے درخت کے پتوں سے ٹپ ٹپ فٹ پاتھ پر گر رہے تھے۔ اس کے قریب ہی ایک شخص گٹھری کی طرح

کھوٹی: بری۔ ڈبا گول ہو گیا: بات بگڑ گئی، معاملہ خراب ہو گیا۔

پڑا تھا۔ اسے اپنے آپے کا بھی ہوش نہیں تھا۔ مزے سے پڑا بے خبر سو رہا تھا۔ نوشا کو سردی کے مارے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے سر گھٹنوں پر رکھ لیا اور آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

اس طرح بیٹھے بیٹھے ایک دفعہ اس نے قریب پڑے ہوئے آدمی کو دیکھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ اس شخص پر ذرا ہاتھ کی صفائی کا تجربہ کرنا چاہیے۔ یہ سوچتے ہی اس کی انگلیوں میں چُل ہونے لگی۔ وہ کھسک کر اس کے قریب ہو گیا۔ ہاتھ بڑھا کر اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ وہ بوسیدہ اونی کوٹ پہنے تھا۔ اس کی ایک جیب سے کاغذوں کے چند پرزے اور ایک ٹوٹا ہوا کنگھا نکلا۔ دوسری جیب بالکل خالی تھی۔ البتہ اندر کی جیب سے ایک روپیہ اور چند آنے کی ریزگاری نکلی۔ پاسپورٹ سائز کی ایک تصویر بھی نکلی۔ تصویر کو اس نے دھندلی دھندلی روشنی میں دیکھا۔ اس میں گول مٹول سا ایک بچہ ہنس رہا تھا۔ اس تصویر کا مقصد اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ پہلے تو نوشا نے سوچا کہ رقم پار کر دے۔ پھر یہ خیال کر کے واپس جیب میں رکھ دی کہ سالا بھوکا مر جائے گا۔ خواہ مخواہ بددعا دے گا۔ اسے اس بات سے خوشی ہوئی کہ اب وہ بہت صفائی سے کام کر سکتا تھا۔ اس نے اس آدمی کی تمام جیبوں کی تلاشی لے ڈالی مگر اسے کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

شبنم سے نوشا کے بال بھیگ گئے تھے اور سردی کا احساس شدید ہو گیا تھا۔ بار بار اس کا جسم کانپ اٹھتا تھا۔ نیند کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اس نے سوچا کوئی نہ کوئی چائے خانہ تو کھلا ہی ہو گا۔ جا کر پی جائے۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

دفعتہً نوشا کو اس آدمی کا خیال آ گیا جو بے خبر سو رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ خبردار کر دے ورنہ ممکن ہے کوئی اس کا بھائی بند جیب صاف کر جائے گا اور سویرے اٹھ کر اس کے پاس چائے پینے کو بھی نہ ہو گا۔

اس نے جھک کر اسے جھنجھوڑا اور بے تکلفی سے بولا۔ "اے بھائی نیند کے متوالے۔" مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

نوشا کو محسوس ہوا کہ اس کا ہاتھ برف کی طرح سرد تھا اور جسم لکڑی کی طرح اکڑا ہوا تھا۔ نہ جانے کب کا مرا ہوا پڑا تھا۔ اس کے آتے ہی وہ خوف سے کانپ اٹھا۔ ایسا لگا کہ لاش اس سے چمٹ

ٹھٹھر ٹھٹھرنا: بچے کا ہاتھ پاؤں مارنا۔ بھائی بند: ہم پیشہ، ساتھی۔ متوالہ: مست، شوقین۔

گئی ہے۔ وہ فوراً آگے بڑھ گیا اور پیچھے مڑ مڑ کر لاش کو دیکھتا رہا۔ اسے بار بار معلوم ہوتا جیسے کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔

اسی گھبراہٹ کے عالم میں وہ ایک گلی میں مڑ گیا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا بندر روڈ پر پہنچا۔ بندر روڈ پر پنواڑیوں کی اکادکا دکانیں ابھی تک کھلی تھیں۔ ایرانی چائے خانے بھی کھلے تھے۔ وہ خاموشی سے ایک ایرانی چائے خانے میں داخل ہو گیا۔ وہاں اس وقت بھی خوب چہل پہل تھی۔ شب زندہ داروں کا ہجوم تھا۔ قہقہے لگ رہے تھے۔ باتیں ہو رہی تھیں۔ ان میں سٹے باز تھے، دلال تھے، رکشا والے تھے، وکٹوریہ والے تھے، پولیس کے کانسٹیبل تھے اور ایسے کوچہ گرد تھے جن کا نوشا کی طرح کوئی ٹھور ٹھکانا نہ تھا۔

نوشا نے گرم گرم چائے کے دو گھونٹ پیے تو ذرا سکون ملا۔ ایک پیالی چائے ختم کرنے کے بعد اس نے بی پی کے دو مسکہ بن کھائے۔ ایک اور گرم گرم ڈبل چائے چڑھائی۔ مگر ابھی تک وہ سنبھل نہیں سکا تھا۔ اسے رہ رہ کر مرے ہوئے آدمی کا خیال آ رہا تھا جس کی جیبوں سے اس نے ایک روپیہ اور پانچ آنے نکالے تھے۔ یہ احساس بڑا اذیت ناک تھا۔ وہ بار بار سوچتا۔ یہ گرہ کٹی کا پیشہ سالا واہیات ہے۔ یار اس پیشے کو تو چھوڑ ہی دینا چاہیے۔

مگر سوال یہ تھا کہ وہ پھر کرے گا کیا؟ اسی عالم میں کوئی اس کے وجود کے اندر سے بولا۔ دو میں سب جیب کترے ہی تو نہیں ہیں۔ اس خیال سے اسے کسی قدر تقویت پہنچی۔

وہ دیر تک چائے خانے میں بیٹھا رہا۔ جب صبح کے آثار ہویدا ہوئے اور ہلکی سفیدی آسمان کے کناروں پر ابھرنے لگی تو وہ چائے خانے سے نکل کر باہر آ گیا اور سڑکوں کی آوارہ گردی شروع کر دی۔

دن بھر وہ کام دھندے کے لیے مارا مارا پھرتا رہا۔ مگر اس کا وہ دن بیکار گیا۔ رات اس نے ریلوے اسٹیشن کے مسافر خانے میں گزاری۔ کئی روز تک یہی سلسلہ چلتا رہا۔ دن سڑکوں پر اور چائے خانوں کے اندر گزرتا اور رات مسافر خانے میں۔ اس کے دس روپے ختم ہوتے جا رہے تھے اور اس احساس سے وہ پریشان ہو جاتا۔

آخر ایک آٹو گیراج میں اسے میکینک کا کام مل گیا۔ ۵۰ روپے مہینہ تنخواہ اور صبح ۸ بجے سے

اکادکا: کوئی کوئی۔ چہل پہل: رونق۔ سٹے باز: جواری۔ دلال: سودا کرانے والا۔ کوچہ گرد: گلیوں میں آوارہ پھرنے والے۔ مسکہ بن: مکھن لگے بن۔ گرہ کٹی: جیب تراشی۔ تقویت: حوصلہ، ہمت۔

ے شام تک کی ڈیوٹی سب شرائط اس نے قبول کر لیں اور کام شروع کر دیا۔
کام تو مل گیا مگر رہنے کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ معاً اسے پروفیسر کلیم اللہ کا خیال آیا۔ اس نے سوچا
ں کر اس سے ملا جائے۔ باتیں تو بہت کرتا ہے۔ شاید کچھ کام بن جائے۔ چنانچہ ایک شام کو آٹو
ج سے نکل کر وہ سیدھا پروفیسر کے پاس گیا۔ وہ اس وقت گھر پر موجود تھا۔ اسے دیکھتے ہی بولا۔
"آخر تم آ ہی گئے۔ مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔"
"میں نے پرانا دھندا چھوڑ دیا ہے اور ایک گیراج میں نوکری کر لی ہے۔" نوشا نے اسے مطلع کیا۔
پروفیسر ہو، ہو کر کے بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔ اس خبر سے اسے بڑی خوشی ہوئی۔ "بہت
ا بہت اچھا۔ تم تو انجینئر بن سکتے ہو۔" اس نے نوشا کا موبل آئل سے داغ دار لباس غور سے
کھا۔ "تم تو ابھی سے انجینئر لگنے لگے۔" وہ اس کی پیٹھ ٹھونک کر شاباشی دینے لگا۔
نوشا نے موقع غنیمت جان کر مطلب کی بات کہہ دی۔ "کام تو مل گیا مگر رہنے کا کوئی ٹھکانا
ں۔ اسٹیشن جا کر مسافر خانے میں پڑ رہتا ہوں۔"
پروفیسر ذرا دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "نہیں، میں تم کو رہنے کے
ے جگہ دوں گا۔" اس نے فوراً اپنی بیٹی کو بلایا۔ نادرہ آ گئی تو وہ گویا ہوا۔ "نادرہ ان سے ملو۔ یہ نوشا
ہمارے دوست۔ اگر تم کو دوست کے لفظ پر اعتراض ہے تو میں اس لفظ کو واپس لیتا ہوں۔ بہر
ایہ ہمارے مہمان ضرور ہیں۔ یہ ہمارے ساتھ ہی ٹھیریں گے۔"
"مگر ابا جان گھر میں جگہ کہاں ہے؟"
"وہ ایک احمقانہ سی مثال ہے۔ جگہ دل میں ہونی چاہیے۔ تو اس وقت جگہ دل ہی میں نکالنا
ے گی۔ دل نہیں دماغ سے سوچو کہ کہاں جگہ نکل سکتی ہے؟"
نادرہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔
پروفیسر ذرا دیر تک بے چینی سے کمرے میں ٹہلتا رہا۔ پھر اس نے چٹکی بجا کر کہا۔ "یہ ٹھیک
ہے گا۔ کھانے کے کمرے سے میز اٹھا کر تم راہداری میں لگا دو۔ کیا مضائقہ ہے۔ کھانا ہی تو کھانا
راہداری بھی بری جگہ نہیں۔ خاصی کشادہ بھی ہے۔ کھانے کی میز اس میں آسانی سے لگائی جا
ہے۔ جس شہر میں انسان کو سر چھپانے کے لیے چھت تک میسر نہ ہو وہاں کسی کو ڈائننگ روم
ے کا کوئی حق نہیں۔ یہ خود غرضی ہے۔ میں اسے ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔"

نادرہ پروفیسر کی عادت سے بخوبی واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ جو کچھ ایک بار طے کر لیتا ہے اسے پورا کیے بغیر نہیں رہتا۔ لہٰذا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے باہر چلی گئی اور گھر کے ملازم کی مدد سے کھانے کی میز نکال کر غلام گردش میں ڈال دی۔ کمرہ نوشا کے لیے خالی کر دیا گیا۔

پروفیسر نے اس کے لیے چارپائی اور بستر کا بھی بندوبست کر دیا۔ اس رات نوشا کئی راتوں کے بعد گہری نیند سویا۔ سویرے ہی سویرے پروفیسر کی آواز سن کر نوشا جاگ اٹھا۔ وہ اسے ناشتے کے لیے بلا رہا تھا۔ اس نے غسل خانے میں جا کر جلدی سے منہ ہاتھ دھویا اور اس کے پاس چلا گیا۔ پروفیسر اور نادرہ کھانے کی میز پر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ میز پر چائے اور ناشتے کا سامان رکھا تھا۔ وہ ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے جھجکنے لگا۔ پروفیسر نے کہا۔

"تم شدید احساس کمتری میں مبتلا ہوا۔ آؤ، ادھر آ کر بیٹھو۔"

نوشا سکڑا سکڑایا کرسی پر بیٹھ گیا۔ پروفیسر نے پھر کوئی بات نہیں کی اور اخبار کے مطالعے میں محو ہو گیا۔ نادرہ نے نوشا کو چائے بنا کے دی۔ ٹوسٹ اور ایک انڈا دیا۔ نوشا آہستہ آہستہ چائے پیتا رہا۔ وہ گھبرایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اسے ہر چیز اجنبی اور نامانوس معلوم ہو رہی تھی۔

اس روز وہ آٹو گیراج پہنچا تو اس کی طبیعت بڑی ہشاش بشاش تھی۔ کام بھی محنت سے کیا۔ پہلی بار اسے گیراج سے چھٹی ہوتے وقت خوشی محسوس ہوئی۔ وہ سیدھا گھر آیا اور غسل خانے میں دیر تک نہاتا رہا۔ رات کا کھانا بھی اس نے پروفیسر ہی کے ساتھ کھایا۔

چند ہی روز کی رہائش کے بعد ایسا محسوس ہونے لگا کہ اس کی زندگی میں بڑی تیزی سے تبدیلی رونما ہو رہی ہے۔ اب وہ سڑکوں پر آوارہ گردی اور گھٹیا چائے خانوں میں وقت گزارنے کے بجائے زیادہ تر گھر ہی پر رہتا۔ اس کی زندگی میں کسی قدر اعتدال اور سلیقہ پیدا ہو رہا تھا۔

غلام گردش: برآمدہ۔ محو: مصروف۔ ہشاش بشاش: خوش و خرم، تازہ دم۔ اعتدال: ٹھہراؤ، اچھائی۔ سلیقہ: تمیز، عمدگی۔